شبہ۱ - جب دیگر فتاویٰ میں القاء اجبار کو کالعدم قرار دیا ہے اور یہ تصریح کی ہے کہ طلاق ملاکن لفظ ہے اور القاء اجبار فعل ہے لہذا بدون لفظ صرف القاء اجبار سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ تو پھر مذکورہ فتاویٰ میں کیسے ایقاع کا حکم لگایا ہے۔

شبہ۲ - کیا فعل کو اگر لوگ اپنی عرف میں لفظ کی جگہ استعمال کرنے لگے تو اس پر لفظ کے احکام جاری ہونگے؟ مزید یہ کہ جو حکم عرف کیطرف جاتا ہے بڑا سنگین بن جاتا ہے کیونکہ یہ فیصلہ کرنا کہ واقعتاً اب یہ عرف بن گیا ہے مشکل امر ہے ایک تو ہر جگہ مفتی عالم کا ہونا میسر نہیں اور بغیر اسکے باتا سے بات بن جاتی ہے، یہاں کے دارالافتاء میں اس قسم کا سوال پیش آیا کہ ایک آدمی نے غصے کی حالت میں اپنی دو بیویوں کو ہاتھ میں تین پتھر پکڑوا کر کہا بس ہو گیا چلی جاؤ، اسکے علاوہ کوئی لفظ نہیں بولا، اس بارے میں آپ حضرات اپنی رائے سے ضرور نوازیں لفظ چلی جاؤ آزاد ہے۔ ہو گیا اس قسم کے الفاظ اگر ملائے جائے تو وقوع طلاق کیا دلالت ہے؟

اگر واقعتاً یہ مسائل مختلف فیہ ہیں تو راجح و مرجوح کی نشاندہی فرمائے۔

دارالافتاء
فتویٰ نمبر ۶۲/۱۳۲۸
مورخہ ______
جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

المستفتی سید انور
دارالافتاء ادارہ تعلیم القرآن
والعلوم الاسلامیہ میاں لال
ٹاؤن سرحد۔ (جواب منسلکہ اوراق پر ملاحظہ فرمائیں)

Scanned by CamScanner

بسم الله الرحمن الرحيم

الجواب حامدًا ومصليا

سوال کے جواب سے پہلے بطور تمہید چند امور کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے جو کہ درج ذیل ہیں، اسکے بعد مذکورہ سوال کا جواب دیا جائے گا (انشاء اللہ تعالی)

(الف) عبارات فقہیہ میں غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ طلاق کے وقوع کے لئے طلاق کے ایسے الفاظِ مخصوصہ کا زبان سے کہنا یا لکھنا ضروری ہے جو صراحۃً یا کنایۃً طلاق کے معنٰی پر دلالت کرتے ہوں، الفاظِ مخصوصہ کے تلفظ یا کتابت کے بغیر محض کسی فعل یا اشارے سے یا کسی ایسے لفظ سے جو طلاق کے لئے نہ موضوع ہو اور نہ ہی کنایاتِ طلاق میں سے ہو، طلاق واقع نہیں ہوتی اگرچہ اس فعل یا لفظ سے طلاق کی نیّت کی گئی ہو یا وہ فعل کسی علاقے کے عرف میں طلاق کے لئے استعمال ہوتا ہو اسلئے کہ وقوعِ طلاق کے لئے الفاظِ مخصوصہ رکن کی حیثیت رکھتے ہیں لہٰذا جب تک رکنِ طلاق (الفاظِ مخصوصہ) کا وقوع بصورتِ کتابت یا تلفظ باللسان نہیں ہوگا اس وقت تک ان الفاظِ مخصوصہ کے علاوہ کسی اور لفظ سے یا محض کسی فعل یا اشارے سے طلاق واقع نہیں ہوگی، جیسا کہ درج ذیل عبارات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے:

حاشية ابن عابدين - (ج۳/ص۲۳۰)

(وركنه لفظ مخصوص) هو ما جعل دلالة على معنى الطلاق من صريح أو كناية فخرج الفسوخ على ما مر وأراد اللفظ ولو حكما ليدخل الكتابة المتسبينة وإشارة الأخرس وإشارة إلى العدد بالأصابع في قوله أنت طالق هكذا كما سيأتي وبه ظهر أن من تشاجر مع زوجته فأعطاها ثلاثة أحجار ينوي الطلاق ولم يذكر لفظا صريحا ولا كناية لا يقع عليه كما أفتى به الخير الرملي وغيره وكذا ما يفعله بعض سكان البوادي من أمرها بحلق شعرها لا يقع به طلاق وإن نواه -

ردالمحتار - (ج۱۱/ص۱)

وأراد بما اللفظ أو ما يقوم مقامه من الكتابة المستبينة أو الإشارة المفهومة فلا يقع بإلقاء ثلاثة أحجار إليها أو بأمرها بحلق شعرها وإن اعتقد الإلقاء والحلق طلاقا كما قدمناه لأن ركن الطلاق اللفظ أو ما يقوم مقامه مما ذكر كما مر

تبيين الحقائق - (ج٦/ص١٤٥)

(قوله في المتن : هو رفع القيد الثابت شرعا إلخ) قال الكمال رحمه الله : وفي ---

دار الافتاء

الشرع رفع قيد النكاح بلفظ مخصوص وهو ما اشتمل على مـــادة ط ل ق صـــريحا كانت طالق أو كناية كمطلقة بالتخفيف وهجاء طالق بلا تركيب كأنت ط ا ل ق على ما سيأتي وغيرهما كقول القاضي فرقت بينهما عند إباء الزوج الإسلام ، والعنة واللعان وسائر الكنايات المفيدة للرجعة والبينونة ولفظ

درر الحكام شرح غرر الأحكام-(ج٤/ص١٩٧)

وركنه نفس اللفظ --------صرح به الكمال من أنه بلفـــظ مخصـــوص لكـــان أولى واللفظ المخصوص ما اشتمل على مادة طلق صريحا كطـــالق أو كنايـــة كمطلقـــة بالتخفيف .

بدائع الصنائع-(ج٧/ص٤٦)

(فصل) : وأما بيان ركن الطلاق فركن الطلاق هو اللفظ الذي جعل دلالة علـــى معنى الطلاق لغة وهو التخلية والإرسال ورفع القيد في الصريح وقطع الوصلة ونحوه في الكناية أو شرعا ، وهو إزالة حل المحلية في النوعين أو ما يقوم مقام اللفـــظ أمـــا اللفظ فمثل أن يقول في الكناية : أنت بائن أو أبنتك أو يقول في الصريح أنت طالق أو طلقتك وما يجري هذا المجرى

(ب) طلاق کا معاملہ اگرچہ اسقدر نازک ہے کہ حدیث میں اسکے "ھزل" کو بھی "جِد" کہا گیا ہے اور جہاں بغیر نیت کے طلاق کے صریح الفاظ کہہ دینے سے بھی طلاق واقع ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے اور طلاق کے الفاظ خصوصاً کنایات کے الفاظ اسقدر ہیں کہ انکو کسی خاص عدد میں بند نہیں کیا جاسکتا لیکن اسکا یہ مطلب بہر حال نہیں ہے کہ کوئی بھی لفظ یا کوئی بھی فعل اگر طلاق کی نیت سے کیا جائے تو اس سے طلاق واقع ہو جائے گی یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام نے کسی لفظ کے کنایہ طلاق بننے کے لئے بھی شرائط اور ضوابط متعین کئے ہیں، چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے فتاوٰی شامی میں کسی لفظ کے کنایہ طلاق بننے کے لئے تین شرطیں بیان کی ہیں (۱) وہ لفظ ایسا ہو کہ اس سے عورت کو خطاب درست ہو سکتا ہو (۲) یا وہ لفظ انشاء طلاق یا اخبار طلاق کی صلاحیت رکھتا ہو (۳) یا وہ لفظ طلاق کا مسبب یعنی حکم ہو اور اس سے طلاق کا مفہوم نکلتا ہو مثلاً حرمت ۔اس سے معلوم ہوا کہ جو لفظ نہ طلاقِ صریح کے الفاظ میں سے ہو اور نہ ہی اسمیں کنایہ طلاق بننے کی مذکورہ شرائط پائی جائیں تو ایسا لفظ طلاق کے معاملہ میں محض لغو ہو گا اور اسمیں مذاکرہ طلاق یا نیت طلاق کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہو گا۔

Scanned by CamScanner

(۲) یا کوئی ایسا لفظ ہو جس سے ان اعداد کی صراحۃً اضافت بیوی کی طرف ہو مثلاً یہ کہے "تجھے میری طرف سے ایک، دو، تین" چنانچہ اس صورت میں تجھے کی اضافت کی وجہ سے ان اعداد کا حکم کنایات طلاق کا ہوگا اب اگر یہ الفاظ طلاق کی نیت سے یا مذاکرہ طلاق کے وقت کہے ہوں تو اسکے مطابق طلاق کا حکم لگایا جائے گا۔

حاصل یہ ہے کہ زوجہ کی طرف صراحۃً اضافت کرتے ہوئے مثلاً اسطرح کہ "تجھے ایک، دو، تین" کہنے اور بغیر اضافت کے مثلاً "ایک، دو، تین" کہنے میں فرق ہے، اوّل الذکر کنایات طلاق میں سے ہے جبکہ ثانی الذکر محض لغو ہے، جیسا کہ درج ذیل عبارات سے ثابت ہوتا ہے:

الدرالمختار-(ج۳/ص۲۸۷)

(والطلاق يقع بعدد قرن به لا به) نفسه عند ذكر العدد وعند عدمه الوقوع بالصيغة

وقال الطحطاوی فی حاشیته(۲/۱۱۲)

وفي فتاوى الخير الرملي اذا قال لزوجته بثلاث ولم يزد عليٰ ذلك او قال انت بثلاث او انت فقط او انت مني بثلاث لا تطلق مالم ينو في الاخيرومالم يكن في مذاكرته

واضح رہے کہ اس عبارت میں "انت منّی بثلاث" کے علاوہ بقیہ تینوں الفاظ (بثلاثٍ، اُنتِ بثلاثٍ، اُنت) میں عدمِ طلاق کا حکم لگایا گیا ہے جس سے یہ بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ صرف عدد بولنے کی وجہ سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوتی، البتہ "انت بثلاث" میں راجح یہی ہے کہ اس میں اور "انتِ منّی بثلاثٍ" میں کوئی فرق نہیں ہے اور اضافت کی وجہ سے یہ بھی کنایاتِ طلاق میں داخل ہے جیسا کہ آگے بحر، شامی اور ہندیہ کے حوالے میں تصریح ہے۔

وفي البزازيه(۱۹۷/٤)

اين زن كه مرا است سه قال ابو نصر الدبوسي لايقع والعياضي يقع بالنية ،انت بثلاث قال الفضيل يقع بالنية ،طلبت منه الطلاق فقال دادم يكى ودو و سه يقع الثلاث بلا نية

البحرالرائق-(ج۹/ص۱۹۵)

ولو قال لامرأته أنت مني بثلاث ونوى الطلاق طلقت لأنه نوى ما يحتمله ، وإن قال

Scanned by CamScanner

لم أنو الطلاق لم يصدق إن كان في حالة مذاكرة الطلاق لأنه لا يحتمل الرد ولو قال أنت بثلاث وأضمر الطلاق يقع كأنه قال أنت طالق بثلاث كذا في المحيط وظاهره أن أنت مني بثلاث وأنت بثلاث بحذف مني سواء في كونه كناية وأما أنت الثلاث فليس بكناية

حاشية ابن عابدين-(ج٣/ص٢٧٥)

ورأيت بخط السائحاني مقتضى ما في الخانية من قوله ولو قال لامرأته أنت بثلاث قال ابن الفضل إذا نوى يقع أنه هنا إذا نوى

وفيها أيضا إذا قال طالق فقيل من عنيت فقال امرأتي طلقت ولو قال أنت مني ثلاثا طلقت إن نوى أو كان في مذاكرة الطلاق وإلا قالوا يخشى أن لا يصدق قضاء اه وكذا نقل الرحمتي عبارة الخانية الأولى ثم قال والظاهر أن قوله هكذا مثل قوله بثلاث اه

حاشية ابن عابدين-(ج٣/ص٣٠٣)

وذكر في الفتح هناك لو قال أنت بثلاث وقعت ثلاث إن نوى لأنه محتمل لفظه ولو قال لم أنو لا يصدق إذا كان في حال مذاكرة الطلاق لأنه لا يحتمل الرد وإلا صدق

الفتاوى الهندية-(ج١/ص٣٥٧)

ولو قال أنت بثلاث وقعت ثلاث إن نوى ولو قال لم أنو لا يصدق إذا كان في حال مذاكرة الطلاق والإصداق ومثله بالفارسية توبسه على ما هو المختار للفتوى

-----------ولو قال لامرأته أنت مني ثلاثا إن نوى الطلاق طلقت وإن قال لم أنو الطلاق لم يصدق إن كان في حال مذاكرة الطلاق ولو قالت لزوجها طلقني فأشار بثلاث أصابع وأراد بذلك ثلاث تطليقات لا يقع ما لم يقل بلسانه هكذا كذا في الظهيرية وفي المنتقى ابن سماعة عن محمد رحمه الله تعالى

شرح فتح القدير-(ج٤/ص٨)

ولو قال أنت بثلاث وقعت ثلاث إن نوى لأنه نوى ما يحتمله لفظه ولو قال لم أنو لا يصدق إذا كان في حال مذاكرة الطلاق لأنه لا يحتمل الرد وإلا صدق ومثله بالفارسية توبسه على ما هو المختار للفتوى خلافا للصفار

دار الإفتاء

Scanned by CamScanner

(د) مذکورہ تفصیل سے یہ بھی ثابت ہوا کہ الفاظ طلاق کے بغیر محض کسی فعل مثلاً پتھر وغیرہ پھینکنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی اگرچہ وہ فعل کسی جگہ کے عرف میں طلاق کے لئے استعمال ہونے لگے چنانچہ مندرجہ ذیل خط کشیدہ عبارات سے یہ بات مفہوم ہوتی ہے

حاشیۃ ابن عابدین -(ج۳/ص۲۳۰)

(وركنه لفظ مخصوص) هو ما جعل دلالة على معنى الطلاق من صريح أو كناية فخرج الفسوخ على ما مر وأراد اللفظ ولو حكما ليدخل الكتابة المتسبينة وإشارة الأخرس وإشارة إلى العدد بالأصابع في قوله أنت طالق هكذا كما سيأتي وبه ظهر أن من تشاجر مع زوجته فأعطاها ثلاثة أحجار ينوي الطلاق ولم يذكر لفظا صريحا ولا كناية لا يقع عليه كما أفتى به الخير الرملي وغيره وكذا ما يفعله بعض سكان البوادي من أمرها بحلق شعرها لا يقع به طلاق وإن نواه -

ردالمحتار -(ج۱۱/ص۱)

وأراد بما اللفظ أو ما يقوم مقامه من الكتابة المستبينة أو الإشارة المفهومة فلا يقع بإلقاء ثلاثة أحجار إليها أو بأمرها بحلق شعرها وإن اعتقد الإلقاء والحلق طلاقا كما قدمناه لأن ركن الطلاق اللفظ أو ما يقوم مقامه مما ذكر كما مر

(ھ) ــ حضرات فقہاء نے حتی الامکان رکن طلاق (الفاظ) کی رعایت کو ملحوظ رکھا ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام نے جہاں اخرس (گونگے) اور معتقل اللسان یعنی غیر قادر الکلام کی طلاق میں اشارے کو معتبر قرار دیا ہے وہاں منجملہ اور شرائط کے بعض مشائخ نے یہ شرطیں بھی لگائی ہیں کہ (۱) وہ اخرس الفاظِ طلاق کے لکھنے پر قادر نہ ہو (۲) اور اشارے سے طلاق دیتے وقت منہ سے کچھ نہ کچھ آواز بھی نکالے تاکہ یہ اشارہ اسکے کلام مجمل کی تفسیر ہو جائے (۳) نیز یہ کہ اسکا اشارہ ایسا معروف اور واضح ہو کہ اس میں سوائے طلاق کے اور کوئی احتمال نہ ہو، صرف طلاق کے لئے ہی متعین ہو، جیسا کہ ذیل کی عبارات سے ثابت ہوتا ہے:

حاشیۃ ابن عابدین -(ج۳/ص۲۴۱)

قوله (واستحسن الكمال الخ) حيث قال وقال بعض الشافعية إن كان يحسن الكتابة لا يقع طلاقه بالإشارة لاندفاع الضرورة بما هو أدل على المراد من الإشارة

وهو قول حسن وبه قال بعض مشايخنا اه قلت بل هذا القول تصريح بما هو المفهوم من ظاهر الرواية ففي كافي الحاكم الشهيد ما نصه فإن كان الأخرس لا يكتب وكان له إشارة تعرف في طلاقه ونكاحه وشرائه وبيعه فهو جائز وإن كان لم يعرف ذلك منه أو شك فيه فهو باطل اه فقد رتب جواز الإشارة على عجزه عن الكتابة فيفيد أنه إن كان يحسن الكتابة لا تجوز إشارته -------- قوله (بإشارته المعهودة) أي المقرونة بتصويت منه لأن العادة منه ذلك فكانت الإشارة بيانا لما أجمله الأخرس

البحر الرائق-(ج۹/ص۱۴۹)

وقال بعض المشايخ إن كان يحسن الكتابة لا يقع طلاقه بالإشارة لاندفاع الضرورة بما هو أدل على المراد من الإشارة قال في فتح القدير : وهو قول حسن ولا يخفى أن المراد بالإشارة التي يقع بها طلاقه الإشارة المقرونة بتصويت منه لأن العادة منه ذلك فكانت الإشارة بيانا لما أجمله الأخرس ا هـ

البحر الرائق-(ج۹/ص۱۵۱)

(قوله : وقال بعض المشايخ إلخ) أقول : هذا القول تصريح بما هو المفهوم من ظاهر الرواية ففي كافي الحاكم ما نصه : فإن كان الأخرس لا يكتب وكان له إشارة تعرف في طلاقه ونكاحه وشرائه وبيعه فهو جائز ، وإن لم يعرف ذلك منه أو شك فيه فهو باطل ا هـ . فقد رتب جواز الإشارة على عجزه عن الكتابة فيفيد أنه إن كان يحسن الكتابة لا تجوز إشارته

(و) اسی طرح اگر کوئی شخص طلاق کے صریح الفاظ کہتے وقت تین انگلیوں کے ساتھ اشارہ بھی کرے تو باوجود اسکے کہ ظاہر یہی ہے کہ اس شخص کی مراد اس سے طلاق کے عدد بتانا اور اس طلاق کو اسکا معدود بنانا ہے لیکن اسکے باوجود فقہاء نے اس اشارے کے معتبر ہونے کے لئے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ وہ شخص زبان سے بھی کوئی ایسا لفظ (مثلاً "ھکذا" یا اسکا ہم معنی لفظ) ادا کرے جس سے واضح طور پر یہ معلوم ہو کہ اس شخص کا مقصود اس اشارے سے طلاق کا عدد بتانا ہے ورنہ اس شخص کا یہ اشارہ محض لغو ہوگا یعنی اس اشارہ کو طلاق کی تفسیر نہیں سمجھا جائیگا بلکہ علیحدہ اشارہ محضہ ہوگا اور یہ بات پیچھے گذر چکی ہے کہ محض اشارہ محضہ سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوتی لہٰذا اس سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی البتہ اسکے بعد یا اسکے ساتھ یا اس سے پہلے جو الفاظ بولے گئے ہیں ان الفاظ سے طلاق واقع ہوگی، چنانچہ ذیل کی عبارات اس پر شاہد ہیں:

Scanned by CamScanner

حاشیة ابن عابدین - (ج۳/ص۲۷۵)

قوله (ولو لم يقل هكذا) أي بأن قال أنت طالق وأشار بثلاث أصابع ونوى الثلاث ولم يذكر بلسانه فإنها تطلق واحدة خانية-قوله (لفقد التشبيه أي بالعدد) قال القهستاني لأنه كما لا يتحقق الطلاق بدون اللفظ لا يتحقق عدده بدونه

الهداية شرح البداية - (ج۱/ص۲۳۸)

فصل في تشبيه الطلاق ووصفه: ومن قال لامرأته أنت طالق هكذا يشير بالإبهام والسبابة والوسطى فهي ثلاث لأن الإشارة بالأصابع تفيد العلم بالعدد في مجرى العادة إذا اقترنت بالعدد المبهم قال عليه الصلاة والسلام الشهر هكذا وهكذا وهكذا الحديث وإن اشار بواحدة فهي واحدة وإن أشار بالثنتين فهي ثنتان لما قلنا والإشارة تقع بالمنشورة منها وقيل إذا أشار بظهورها فبالمضمومة منها وإذا كان تقع الإشارة بالمنشورة منها فلو نوى الإشارة بالمضمومتين يصدق ديانة لا قضاء وكذا إذا نوى الإشارة بالكف حتى يقع في الأولى ثنتان ديانة وفي الثانية واحدة لأنه يحتمله لكنه خلاف الظاهر ولو لم يقبل هكذا تقع واحدة لأنه لم يقترن بالعدد المبهم فبقي الاعتبار بقوله أنت طالق

الفتاوى الهندية - (ج۱/ص۳۵۷)

ولو قالت لزوجها طلقني فأشار بثلاث أصابع وأراد بذلك ثلاث تطليقات لا يقع ما لم يقل بلسانه هكذ

مذکورہ تمہید کے بعد آپکے سوالات کا جواب یہ ہے کہ:

ا۔۔۔سوال نمبر ایک میں ہماری نظر میں فتاوی حقانیہ کا جواب درست ہے اسلئے کہ ایک، دو، تین عددِ محض ہیں اور عدد ہی کے لئے موضوع ہیں یعنی نہ یہ طلاق صریح کے الفاظ ہیں اور نہ فی نفسہ (مذکورہ شرائط نہ پائی جانے کی وجہ سے) الفاظ کنایات میں شامل ہیں اسلئے محض ایک، دو، تین کہنے سے بیوی پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی البتہ اگر ان اعداد کے ساتھ صراحۃً لفظ طلاق بھی بولا جائے تو اس صورت میں ان اعداد کے مطابق طلاقِ صریح واقع ہو جاتی ہے اور اگر انکے ساتھ کنایات طلاق میں سے کوئی لفظ بولا جائے یا زوجہ کی طرف صراحۃً اضافت ہو تو انکا حکم کنایاتِ طلاق کی طرح ہوگا اور اسمیں نیت یا مذاکرہ طلاق کی بناء پر حکم لاگو ہوگا لیکن جب تک ان اعداد کے ساتھ صراحۃً یا کنایۃً کوئی لفظ طلاق کا ذکر نہ ہو اور نہ ہی

Scanned by CamScanner

زوجہ کی طرف نسبت ہو تو محض ایک، دو، تین کہنے سے بیوی پر کوئی طلاق واقع نہیں ہو گی (جیساکہ پیچھے تفصیل مع حوالہ گزر چکی ہے)

البتہ اگر ان اعداد کے کہتے وقت بیوی کی طرف صراحۃً اضافت ہو مثلاً یہ کہا "تجھے میری طرف سے ایک، دو، تین" تو ایسی صورت میں اضافت کی وجہ سے ان اعداد کا حکم کنایاتِ طلاق کی طرح ہو گا چنانچہ اگر یہ الفاظ طلاق کی نیت سے یا مذاکرہ طلاق کے وقت کہے ہوں تو اسکے مطابق طلاق کا حکم لگایا جائیگا۔

حاصل یہ ہے کہ زوجہ کی طرف صراحۃً اضافت کرتے ہوئے مثلاً اسطرح کہ "تجھے ایک، دو، تین" کہنے اور بغیر اضافت کے مثلاً "ایک، دو، تین" کہنے میں فرق ہے، اوّل الذکر کنایات طلاق میں سے ہے جبکہ ثانی الذکر محض لغو ہے۔

جن مؤقّر اردو فتاوی میں محض "ایک، دو، تین" کہنے کی وجہ سے طلاق کا حکم لگایا گیا ہے وہاں بظاہر ان دونوں صورتوں میں فرق نہیں کیا گیا، جبکہ عربی عبارات میں دونوں صورتوں کے لحاظ سے فرق ہے جیساکہ اوپر تفصیل آچکی ہے لہذا بغیر اضافت والی صورت کو اضافت والی صورت پر قیاس کرنا اور دونوں کا ایک ہی حکم بیان کرنا صحیح معلوم نہیں ہوتا۔

۲۔۔۔۔ گزشتہ تفصیل سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ طلاق کے تلفظ کے بغیر صرف پتھر پھینکنے یا دینے سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوتی گو کسی جگہ اسکا رواج اور عرف ہو، چنانچہ فتاویٰ دار العلوم دیوبند (مکمل مدلل) میں ایک عنوان "کنکریاں پھینکنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی گو رواج ہو" کے تحت ایک سوال جواب مذکور ہے:

> (سوال ۷۵۸)۔۔۔ایک ملک میں رواج ہے کہ طلاق دینے کے وقت صرف کنکریاں عورت کی طرف پھینکتے ہیں، زبان سے کچھ نہیں کہتے اس سے طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟
>
> (الجواب)۔۔۔ کنکریاں پھینکنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی کذا فی الشامی۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند)

لہذا آپ کے مذکورہ سوال میں شخص مذکور نے جبکہ دونوں بیویوں کو تین پتھر دیکر یہ کہا "بس ہو گیا چلی جاؤ" تو مذکورہ تفصیل کے مطابق پتھر دینے کا تو اعتبار نہیں ہو گا البتہ اسکے ساتھ جو الفاظ کہے ہیں ان کا اعتبار ہو گا اور مذکورہ الفاظ دراصل دو جملے ہیں ایک "بس ہو گیا" اور دوسرا "چلی جاؤ" اور ان دونوں جملوں کا حکم الگ الگ ہے چنانچہ پہلا جملہ "بس ہو گیا" کا لفظاً نہ طلاق صریح ہے اور نہ اس میں کنایہ طلاق بننے کی مذکورہ شرائط پائی جاتی ہیں اسلئے یہ لفظ تو محض لغو ہے البتہ دوسرا جملہ "چلی جاؤ" چونکہ "اذھبی" کے معنی میں ہے اور یہ ان کنایات میں سے ہے جو بہر حال نیت کے محتاج ہوتے ہیں لہٰذا اگر ان

دار الافتاء

Scanned by CamScanner

الفاظ کے کہتے وقت مذکورہ شخص کی نیت دونوں بیویوں کو طلاق دینے کی تھی تو اسکی وجہ سے اسکی دونوں بیویوں پر ایک ایک طلاق بائنہ واقع ہوگئی ہے، اور اگر تین طلاق کی نیت تھی تو تین طلاقیں واقع ہوگئی ہیں اور اگر طلاق کی دینے کی نیت نہیں تھی تو کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی۔

اور لفظ "آزاد" کے متعلق تفصیل یہ ہے کہ:

(۱) اگر کلام میں کوئی ایسا قرینہ نہ ہو جس سے ارادہ طلاق یا عدم ارادہ طلاق کا پتہ چلے مثلاً یوں کہا جائے "میری بیوی آزاد ہے" یا "تو آزاد ہے" تو ایسی صورت میں یہ کنایات کے قبیل سے ہوگا، اور ارادہ طلاق یا مذاکرہ طلاق کے وقت ایک طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی۔

(۲) اور اگر کلام میں ارادہ طلاق کا قرینہ قائم ہو مثلاً یوں کہا "میری بیوی میرے نکاح سے آزاد ہے" یا "میں نے اسکو اپنے نکاح سے آزاد کیا" یا "میں نے اسکو اپنے سے آزاد کیا" تو یہ الفاظ چونکہ ہمارے عرف میں طلاق کے لئے مستعمل ہیں لہذا اگر پتھر دیتے وقت یہ الفاظ کہے تو اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہو جائے گی۔

(۳) اور اگر کلام میں عدم ارادہ طلاق کا قرینہ قائم ہو جائے مثلاً یہ کہا "تو آزاد ہے جو چاہے کھا پی" تو ایسی صورت میں یہ نہ طلاق صریح ہوگا اور نہ کنایات میں سے ہوگا لہذا خواہ طلاق کا ارادہ ہو، کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ (ھکذا فی امداد الاحکام ۲/۴۷۰)

حاشیة ابن عابدین - (ج۳/ص۲۴۰)

وبه ظهر أن من تشاجر مع زوجته فأعطاها ثلاثة أحجار ينوي الطلاق ولم يذكر لفظا صريحا ولا كناية لا يقع عليه كما أفتى به الخير الرملي وغيره وكذا ما يفعله بعض سكان البوادي من أمرها بحلق شعرها لا يقع به طلاق وإن نواه -

ردالمحتار - (ج۱۱/ص۱)

وأراد بما اللفظ أو ما يقوم مقامه من الكتابة المستبينة أو الإشارة المفهومة فلا يقع بإلقاء ثلاثة أحجار إليها أو بأمرها بحلق شعرها وإن اعتقد الإلقاء والحلق طلاقا كما قدمناه لأن ركن الطلاق اللفظ أو ما يقوم مقامه مما ذكر كما مر

وفی الخانیة علی هامش الهندیه (۱/۴۶۲)

رجل وقعت الخصومة بينه وبين امرأته فقالت المرأة ضع ثلاث تطليقات ههنا وهناك

دار الافتاء

Scanned by CamScanner

ثلاث قصبات صغار مما يكون للحائک بلا غزل فابان الرجل باصبع رجله واحـــدة وقال هذاطلاقلک ثم وثم حتى نحاهاعن اماکنهاثم قال ادفعيه الى الحائک لينسجه فی ثوبک قالوا ينبغی ان لاتطلق امراته لانه جعل القصب طلاقا

الفتاوی الهندية-(ج١/ص٣٦٤)

قال محمد رحمه الله تعالى في الجامع إذا كان للرجل امرأتان وقد دخل بهما فقال لهما أنتما طالقان طلقت كل واحدة منهما تطليقة رجعية

الفتاوی الهندية-(ج١/ص٣٧٤)

وما يصلح جوابا وردا لا غير اخرجي اذهبي اعزبي ---------ففي حالة الرضا لا يقع الطلاق في الألفاظ كلها إلا بالنية والقول قول الزوج في ترك النية مع الـــيمين وفي حالة مذاكرة الطلاق يقع الطلاق في سائر الأقسام قضاء إلا فيما يصلح جوابا وردا فإنه لا يجعل طلاقا كذا في الكافي وفي حالة الغضب يصـــدق في جميـــع ســـذلك لاحتمال الرد والسب إلا فيما يصلح للطلاق ولا يصلح للرد والشتم

البحر الرائق-(ج٩/ص٣٦٤)

وحاصل ما في الخانية أن من الكنايات ثلاثة عشر لا يعتبر فيها دلالة الحال ولا تقـــع إلا بالنية : حبلك على غاربك ، تقنعي ، تخمري ، استتري ، قـــومي ، اخرجـــي ، اذهبي

والله اعلم بالصواب

عبدالماجد اشرف عفاالله عنه

دارالافتاء جامعه دارالعلوم کراچی

۵ صفرالمظفر ١٤٣٢ھ

١٠ جنوری ٢٠١١ء

الجواب صحيح

الجواب صحيح

الجواب صحيح

الجواب صحيح

٧/٢/١٤٣٢ھ